کتابتِ مصاحف اور علم الرسم

پروفیسر حافظ احمد یارؒ

(۱) ''الجمع الصوتی الاول للقرآن'' کے مؤلف ڈاکٹر لبیب السعید نے اپنی کتاب کی تمہید میں علامہ عبداللہ یوسف علی کے ترجمہ قرآن کے دیباچہ سے یہ عبارت (بصورتِ ترجمہ) نقل کی ہے:

''لیس فی الدنیا کتاب وضعت فی خدمتہ مثل ھذہ الکثرۃ من المواھب التی وضعت فی خدمۃ القرآن ولا مثل ھذہ الوفرۃ من العمل والوقت والمال''[۱]

اصل انگریزی عبارت یوں ہے:

There is no book in the world in whose service so much talent, so much labour, so much time and money have been expended as has been the case with the Quran. [2]

خدمت قرآن کے بیسیوں میدان اور مطالعہ قرآن کے سینکڑوں عنوان ہیں۔ اور قرآن کریم سے متعلق یہ ''علمی میدان'' اور ''علمی عنوان'' متعدد تحریکات اور سینکڑوں تالیفات کو وجود میں لائے ہیں۔ ان میں سے ایک اہم اور بنیادی میدان ہے النّص القرآنی (کلمات قرآن) کی (مصحف میں)[۳] کتابت۔ اور اسی (کتابت مصحف) کے قواعد وضوابط کے بیان کا علمی عنوان ہے ''علم الرسم'' اور اس علم کا مختصر سا تعارف ہی اس مقالہ کا موضوع ہے۔

(۲) عربی زبان میں ''لکھائی'' کے لیے متعدد (قریباً) ہم معنی الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً الکتابۃ' الخط' الزبر' السطر' الرقم' الرشم (بالشین)' الرسم اور الھجاء وغیرہ[۴]۔ ان میں سے قرآن کریم کی کتابت کے ضمن میں لفظ ''خط'' سے عموماً خطاطی اور خوشنویسی کا بیان اور اس کی تاریخ مراد لی جاتی ہے۔ اور یہ خطاط اور مؤرخِ خط کا میدان ہے۔ اور ''الھجاء'' اور ''الرسم'' (اور اس کے مشتقات) اور ان پر مبنی بعض تراکیب' املاء قرآن[۵] کے اصول وقواعد کے معنوں میں ایک علم اور فن کا اصطلاحی نام بن چکے ہیں۔

گزشتہ چودہ صدیوں میں اس علم کے نام کے لیے مختلف الفاظ استعمال کیے جاتے رہے ہیں۔ مثلاً ابتدا میں تو کتابت یا خط کے لفظ ہی سامنے آئے[۶] پھر آگے چل کر مختلف اسباب وعوامل کی بنا پر اس کے لیے ''ھجاء'' کا استعمال شروع ہوا۔ مثلاً ''ھجاء المَصاحف''، ''ھجاء مصاحف الامصار''، ''ھجاء التنزیل'' وغیرہ۔ لفظ ''الھجاء'' کے لفظی معنی ہیں: حرفوں (کے ناموں) کی ابتدائی آوازوں سے لفظ بنانا۔ مثلاً بکر کا ھجاء ''ب ك ر'' ہے۔ اس طرح ھجاء المصاحف کا مطلب ہوا: قرآن کے لفظوں کو لکھنے کے لیے ان کے حرفوں کو ترتیب وار گن کر باہم جوڑنے کا طریقہ یا اس کے قواعد۔

قریباً پانچویں صدی ہجری سے لفظ ''الرسم'' اور ''مرسوم'' کا استعمال شروع ہوا' مثلاً ''رسم المصحف''، ''رسم مصاحف الامصار''، ''مرسوم المصاحف''، ''رسم القرآن''، ''مرسوم خط التنزیل'' وغیرہ۔ ابن خلدون (ت ۸۰۸ھ) نے اسے فن الرسم اور الرسم المصحفی لکھا ہے (۷)۔ قلقشندی نے اسے المصطلح الرسمی اور الاصطلاح السلفی کہا ہے۔ (۸)

گیارہویں بارہویں صدی ہجری سے ''رسم'' کے ساتھ (ترکیب میں) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یا ان کی طرف منسوب مصاحف کا نام زیادہ استعمال ہونے لگا' مثلاً ''رسم المصاحف العثمانیۃ''، ''رسوم مصاحف عثمان''، ''رسم المصحف الامام'' اور ''الرسم العثمانی'' وغیرہ۔ آج کل اس کے لیے جامع اصطلاح ''علم الرسم'' یا صرف ''الرسم '' اختیار کی جاتی ہے۔ اس لفظ کے علی الاطلاق استعمال کی صورت میں یعنی کسی توصیفی یا اضافی ترکیب کے بغیر بھی اس سے مراد ''رسم المصحف'' ہی ہوتا ہے۔ اردو میں اس کے لیے ''رسمِ قرآن''، ''قرآنی رسم الخط'' یا ''رسم عثمانی'' (۹) کے الفاظ اور فارسی میں ''املاء قرآن'' اور بعض دفعہ ''رسمِ مصحف'' کی اصطلاح کا رواج ہے۔

الرسم کے لفظی معنی ہیں: اثر یا نشان' اور اس کی جمع رسوم (آثار' نشانات) آتی ہے۔ غالباً قرآن کریم کی کتابت کے آداب وقواعد کے لیے اس لفظ کے مختص ہو جانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں عہدِ نبوی اور عہدِ راشدین کی کتابت اور طریقِ املاء کو ایک یادگار کے طور پر محفوظ کر لینے کا تصور شامل ہو گیا ہے۔ اسی تاریخی پہلو کی طرف اشارہ کے لیے ''علم الرسم'' کی تعریف ہی ''الخط المرسوم فی المصاحف العثمانیۃ'' سے کی جاتی ہے (۱۰) اور اسے رسم عثمانی کہنے کی بنیاد بھی تاریخی ہے۔

چونکہ املاء قرآن بعض باتوں میں عام عربی املاء سے مختلف ہے' اس لیے دونوں کا فرق واضح کرنے کے لیے بعض دفعہ عام املاء کے لیے بھی ''رسم'' کا لفظ استعمال کر لیا جاتا ہے مگر ترکیب کے ساتھ۔ مثلاً [الرسم القرآنی یا الرسم الاصطلاحی کے مقابلے پر] الرسم الاملائی' الرسم القیاسی یا الرسم المعتاد کہہ لیتے ہیں (۱۱)۔ اور ان دونوں کے باہمی فرق اور اختلاف کی وجہ سے علم الرسم کی منطقی حد (تعریف) یوں بیان کی جاتی ہے ''هو علم تعرف به مخالفات خط المصاحف العثمانية لاصول الرسم القياسي'' (۱۲) (علم الرسم وہ علم ہے جس کے ذریعے مصاحف عثمانیہ کی املاء میں رسم قیاسی کی مخالفت اور اختلافات کا پتا چلتا ہے)۔

(۳) علم الرسم کی مندرجہ بالا تعریف اور تعارف سے یہ بات تو واضح ہو جاتی ہے کہ اس کا تعلق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے مصاحف سے ہے' اور یہی وجہ ہے کہ علم الرسم کی تمام کتابوں میں سب سے پہلے جمع و تدوین قرآن کے تین معروف مراحل یعنی عہدِ نبوی' عہدِ صدیقی اور عہدِ عثمانی میں اس عمل کے دواعی اور اس کی کیفیت سے بحث کی جاتی ہے۔ قرآن کریم کے اس عثمانی ایڈیشن یعنی مصاحفِ عثمانیہ کی تیاری ایک معروف واقعہ ہے۔ یہاں اس کی تفصیلات میں جانا باعث طوالت ہوگا' نیز اس وقت ہمارا اصل مرکزی موضوع بھی یہ نہیں ہے۔ تاہم چونکہ ''علم

الرسم'' کی بنیاد یہی مصاحف عثمانیہ بنے' اس لیے اصل موضوع (الرسم) کی مناسبت سے ان مصاحف کے بارے میں چند امور قابل ذکر ہیں:

۱) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ خلافت محرم ۲۴ھ تا ذی الحجہ ۳۵ھ یعنی بارہ سال ہے۔ اس دوران حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ مصاحف کی تیاری والا کام کب شروع ہوا اور کب اختتام کو پہنچا؟ اس بارے میں مختلف روایات ہیں۔ تاریخی بحث کی تفصیل میں گئے بغیر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ کام ۲۵ھ تا ۳۰ھ کی درمیانی مدت میں ہی مکمل ہو گیا تھا(۱۳)۔ گویا یہ کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ۱۵ تا ۲۰ سال کے اندر اندر اور غارِ حرا میں پہلی وحی کے نزول سے پچاس سال سے بھی کم عرصے میں(۱۴) سرانجام دیا جا چکا تھا۔

۲) ان مصاحف کی کتابت میں سب سے اہم کردار حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا تھا۔ انہوں نے عہدِ نبوی میں بھی کتابت وحی کا کام کیا تھا۔ عہدِ صدیقی میں قرآن کریم کی صحف [چھوٹے چھوٹے اجزاء جن میں سے ہر ایک جزء کم از کم ایک سورت پر مشتمل تھا(۱۵)] میں مکمل کتابت میں بھی ان کا بڑا حصہ تھا۔ اس ۲۰ سال کے عرصے میں عربی املاء کے اصول وقواعد میں کوئی تغیر رونما نہیں ہوا [یہ تغیرات پہلی صدی ہجری کے اواخر میں سامنے آتے ہیں۔] اور اہم کاتب بھی ایک ہی آدمی رہا۔ اس لیے یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت زیدؓ بن ثابت یا ان کے ساتھ کام کرنے والے کمیٹی کے دوسرے ارکان نے مصاحفِ عثمانیہ کی کتابت اسی طریق املاء کے مطابق کی جو اُس وقت حجاز خصوصاً مدینہ منورہ میں رائج تھا۔ اور یہ طریق املاء یقیناً عہدِ نبوی میں رائج خط اور املاء سے مختلف نہیں تھا۔

۳) مصاحفِ عثمانیہ نقط اور اعجام سے معرّیٰ تھے' اس لیے ہر نسخہ کے ساتھ پڑھانے والا ایک مستند قاری بھی بھیجا گیا تھا۔ عہدِ نبوی سے ہی تعلیم قرآن کی بنیاد محض تحریر پر نہیں بلکہ تلقی اور سماع پر رکھی گئی تھی۔ لوگوں نے اپنی روزانہ تلاوت کے لیے اپنے علاقے کے صدر مقام پر بھیجے گئے مصاحفِ عثمانیہ سے اپنے لیے مصاحف تیار کرنا اور کرانا شروع کر دیے۔ اب ہر نیا مصحف' مصاحفِ عثمانیہ میں سے کسی ایک یا ان سے ہو بہو نقل کردہ کسی ایک نسخہ (مصحف) کی صحیح نقل ہوتا تھا۔ قرآن کریم کی درست قراءت استاد کی شفوی تعلیم پر اور قرآن کی درست کتابت مستند اصل سے ہو بہو نقل پر منحصر تھی۔ مصاحفِ عثمانیہ کی اس ہو بہو نقل کو ہی مصاحفِ عثمانیہ کے رسم (طریق املاء) کا التزام کہا جاتا ہے۔

۴) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کتنے مصاحف تیار کرائے تھے اور وہ کس کس شہر میں بھیجے گئے؟ روایات میں ان کی تعداد چار سے آٹھ تک بیان کی گئی ہے۔(۱۶) دو نسخے (مصحف) تو مدینہ منورہ میں رہے' ایک عوام الناس کے لیے مسجد نبوی میں رکھا گیا اور ایک حضرت عثمانؓ کی ذاتی نگرانی میں رہا' جسے **المُصحف الامام** بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ مکہ مکرمہ' کوفہ' بصرہ اور دمشق میں ایک ایک مصحف (مع قاری) بھیجا جانا ثابت ہے۔ [چار مصاحف والی روایت میں غالباً صرف ان مصاحف کی بات کی گئی ہے جو مدینہ منورہ سے باہر

بھیجے گئے تھے۔] کہتے ہیں کہ ایک ایک نسخہ یمن اور بحرین کے لیے بھی بھیجا گیا تھا' بلکہ بعض نے بحرین کی بجائے مصر میں ایک نسخے کے بھیجے جانے کا ذکر بھی کیا ہے (۱۷)۔ تاہم جن مصاحفِ عثمانیہ سے نقل ہو کر مزید مصاحف تیار ہوئے اور جن کے رسم کا گہری نظر سے لفظ بہ لفظ بلکہ حرف بحرف تنقیدی اور تقابلی مطالعہ کر کے ''علم الرسم'' کی بنیاد رکھی گئی' اس میں صرف پانچ مقامات کے مصاحف عثمانیہ [یا ان سے تیار ہونے والے مصاحف] کا ذکر کتب رسم میں کیا جاتا ہے۔ یعنی مکہ' مدینہ' کوفہ' بصرہ اور دمشق کے مصاحف۔ (۱۸)

۵) جغرافیائی اعتبار سے اسلامی مملکت کے مختلف حصوں کے لیے ان ارسال کردہ مصاحفِ عثمانیہ کی مرکزی حیثیت کچھ اس طرح مقرر کر دی گئی یا عملاً ہو گئی کہ مکہ اور مدینہ کے مصاحف تمام جزیرہ نمائے عرب کے لیے' بصرہ اور کوفہ کے مصاحف تمام مشرقی علاقوں کے لیے اور دمشق کا مصحف شام کے علاوہ تمام مغربی (افریقی) علاقوں کے لیے نئے مصاحف کی تیاری کے لیے اصل کا کام دینے لگے۔ ان مصاحف اور ان کی نقول کو مکی' مدنی' کوفی' بصری اور شامی کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔

(۶) آگے چل کر علماء رسم نے مختلف مصاحف کے ذکر کے لیے کچھ اصطلاحات مقرر کر لیں۔ مثلاً مدینہ منورہ کے دونوں نسخوں (خاص اور عوام الناس والے) کا ذکر کرنا ہوتا تو ''مدنییّن'' کہتے' اور ''مدنیین'' اور مکی (یعنی تینوں کا) ذکر کرنا ہوتا تو ''**الحجازية**'' یا ''**الحرمية**'' کہتے' اور کوفی اور بصری (دونوں) کے لیے مجموعی طور پر ''**العراقيّين**'' کی اصطلاح استعمال کرتے۔ تاہم یہ اصطلاحات اس وقت استعمال کرتے جب اصل مصاحفِ عثمانیہ مراد ہوتے اور اگر ان سے تیار ہونے والی نقول مراد ہوتیں تو صرف مصاحف عراق' مصاحفِ اہل الشام وغیرہ کہہ کر ذکر کیا جاتا۔ (۱۹) کتب الرسم میں ان اصطلاحات کا استعمال عام ہے۔

(۷) ان مراکز خمسہ میں سے ہر ایک مرکزی شہر میں وہاں قیام پذیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں قرّاء کی ایک ایسی جماعت تیار ہوئی جو قراءت کے ساتھ رسم الکلمات (کا طریقہ) بھی بیان کرتے تھے یعنی ادھر بھی توجہ دلاتے تھے۔ نقط و اعجام سے معرّٰی مصحف سے قراءتِ روایت کی بنا پر اور استاد سے بالمشافہ ہی سیکھی جا سکتی تھی۔ تاہم اس مروی قراءت کے مطابق اپنا (ذاتی) مصحف تیار کرنے کے لیے مصاحفِ عثمانیہ میں سے کسی ایک سے یا اس سے نقل شدہ کسی مصحف سے نقل مطابق اصل کیے بغیر بھی چارہ نہ تھا۔ کیونکہ باجماعِ صحابہؓ یہی مصاحف صحت کا معیار قرار پائے تھے۔ اس طرح شروع سے ہی قراءت اور رسم ساتھ ساتھ چلے۔

اور یہ ''نقل مطابق اصل'' کا کام اس لیے بھی ضروری تھا یا یوں کہیے کہ ''نقل صحیح'' کے اس عمل سے یہ بات بھی سامنے آنے لگی تھی کہ مصاحفِ عثمانیہ میں ایسے کلمات بھی ہیں' جن کی کتابت میں کوئی یکساں اصول اختیار نہیں کیا گیا تھا۔ مثلاً لفظ ''کتاب'' کہیں الف کے ساتھ اور کہیں بحذف الف (کتٰب) لکھا گیا تھا۔ یا مثلاً لفظ ''**نعمة**'' یا ''**رحمة**'' عموماً تو تائے مربوطہ (ۃ) کے ساتھ ہی لکھے گئے مگر بعض مقامات پر تائے مبسوطہ (ت) کے ساتھ لکھے گئے تھے۔ اور ایک ہی مصحف کے اندر اس قسم کے تفاوت اور اختلاف کی متعدد صورتیں موجود تھیں۔ آگے چل کر

ایسے تمام مقامات کا حصر اور کتابت مصاحف میں اس فرق کو برقرار رکھنا علم الرسم کا ایک اہم مسئلہ بن گیا۔

(۵) جیسا کہ ابھی بیان ہوا، صحابہؓ نے مصاحف کی کتابت اپنے زمانے کے رائج ''طریق املاء'' یا رسم کے مطابق ہی کی تھی۔ اس زمانے میں یہی طریق املاء عام کتابت کے لیے بھی استعمال ہوتا تھا اور یہ طریقہ تابعین (بلکہ تبع تابعین) کے دَور تک جاری رہا[۲۰] کہ قرآنی املاء اور عام عربی املاء میں کوئی فرق نہیں ہوتا تھا۔ ایک لفظ جس طرح قرآن میں لکھا جاتا تھا، شعر و ادب میں یا کسی سرکاری یا ذاتی مراسلات وغیرہ میں بھی اسی املاء کے ساتھ لکھا جاتا تھا، اور یہی وجہ ہے کہ اس زمانے کی قرآنی املاء (یا رسم) کے بعض طریقے عام عربی املاء میں اس طرح رچ بس گئے کہ اس کی بعض یادگاریں عام عربی املاء میں اب تک محفوظ ہیں۔ ان میں سے بعض کا ذکر ابھی آگے چل کر آئے گا۔

(٦) جب کوفہ اور بصرہ کی چھاؤنیاں علمی مراکز کے طور پر اُبھریں اور یہاں عربی زبان و لغت اور شعر و ادب کے ساتھ ساتھ صَرف اور نحو کے علوم کی ایجاد اور تدوین ہوئی، اور علمی، سرکاری اور روزمرہ کی سطح پر عربی زبان میں کتابت کی بھی بکثرت ضرورت پڑنے لگی، تو علماءِ وقت نے عربی املاء کو صرفی اور نحوی اصولوں کی روشنی میں یکساں اور کلی قواعد کے ماتحت کرنا ضروری سمجھا۔ اور اس کے لیے بنیادی طور پر املاء کلمات میں صوتی اصول (The Phonetic Principle) یعنی لفظ کو اس کے نطق یا تلفظ کے مطابق لکھنے کا اصول اختیار کرنے کو ترجیح دی گئی۔ مثلاً یہ کہ:

ا) ''الف لینہ متوسطہ'' کو ہمیشہ بصورت الف ہی لکھنا چاہیے[۲۱] اس لیے جو واؤ صرفی تعلیل کی بنا پر الف میں بدل جائے (بلحاظ تلفظ) اسے لفظ میں بصورت الف ہی لکھنا چاہیے۔ اس قاعدے کے تحت ''صلٰوۃ'' کو صلاۃ اور ''نجوٰۃ'' کو نجاۃ لکھنا بہتر سمجھا گیا۔

ب) اسی طرح واؤ جمع کے بعد زائد الف لکھنا تو تسلیم کر لیا گیا (مثلاً ضربوا اور قالوا میں) مگر کسی ناقص واوی کے صیغہ مضارع واحد غائب (مثلاً یدعو، یمحو) میں واؤ کے بعد الف لکھنا غلط قرار دیا گیا۔[۲۲]

ج) اسی (الف لینہ متوسطہ والے) قاعدے کے تحت جمع مؤنث سالم کی آخری ت سے پہلے الف لکھنا بھی ضروری سمجھا گیا (مسلمات، حسنات میں)۔

د) اسی طرح صیغہ جمع مؤنث غائب کے ساتھ التباس سے بچنے کے لیے ماضی جمع متکلم میں بھی آخر پر الف کا لکھنا ضروری قرار پایا۔ اس قاعدے کی بنا پر ہی انزلنہ کو انزلناہ کی شکل میں لکھنے لگے، وغیرہ وغیرہ۔ قرآن کریم میں پہلی شکل استعمال کی گئی تھی۔

اس طرح صرفی اور نحوی قواعد کی روشنی میں ہجاء اور املاء کے قیاسی قواعد کے ارتقاء کا ایک دَور شروع ہوا اور اس کے اصول و قواعد میں تغیر و تبدل اور اصلاح و ترمیم کا عمل جاری رہا۔[۲۳] [اور کسی حد تک یہ اب بھی جاری ہے] اور اس فن یعنی املاء قیاسی کے اصول و قواعد پر مشتمل مستقل کتابیں لکھی جانے لگیں۔[۲۴]

املاء قیاسی کی اصلاح اور اس کے انضباط کی اس صرفی و نحوی مہم کے نتیجے میں لوگوں نے بہت سے کلمات کا

قدیم ھجاء اور املاء ترک کر دیا اور ان کو نئے اصولوں کے مطابق لکھنے لگے(۲۵) تاہم رسم قرآنی کو ان قواعد کے تحت لانے کو قبول نہیں کیا گیا اور قرآن کریم کی کتابت بدستور ''نقل مطابق اصل'' کے اصول پر برقرار رکھی گئی۔ اس طرح قرآن کریم میں لوگوں کو ان قواعدِ نحو کی ''خلاف ورزی'' کی بکثرت مثالیں نظر آنے لگیں' حالانکہ اصل واقعہ یہ ہے کہ قرآنی رسم تو کبھی ان قواعد کے تابع تھا ہی نہیں۔

(۷) اِملاء اور ھجاء کے قدیم اصولوں میں ان تبدیلیوں اور اصلاحات کے باوجود کُتّابِ مصاحف کے ہاں عثمانی مصاحف کے طریق املاء یا رسم الخط کا اتباع جاری رہنے کی کچھ وجوہ تھیں' مثلاً:

(ا) اس کی ایک بڑی وجہ تو یہ تھی کہ اس ''رسم'' میں اب ایک طرح سے تبرک اور تقدیس کا پہلو پیدا ہو گیا تھا۔ [اور رسم قرآنی کا یہ پہلو کبھی بھی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیا گیا۔]

(ب) دوسرے' ایک طویل عرصے کے استعمال سے کُتّابِ مصاحف اس طریقِ املاء سے مانوس بھی ہو گئے تھے۔(۲۶)

(ج) تیسرے یہ بھی کہ مصحف کی کتابت کسی مصحف سے ہی براہ راست اور ہو بہو نقل پر منحصر تھی۔ اس سے بھی ''رسم'' سے منحرف ہونے کی گنجائش کم ہی نکلتی تھی۔

دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ بعض کلمات کا قدیم یا قرآنی طریق املاء (یا رسم الخط) کثرتِ استعمال کی بنا پر ذہنوں میں اس طرح رچ بس گیا تھا کہ اسے املاء قیاسی کے علمبرداروں نے بھی اپنی اصلی صورت پر برقرار رکھنا قبول کر لیا' بلکہ ان کلمات کو قرآنی املاء کے ساتھ لکھنا ہی درست قرار دیا۔ آج بھی عام عربی املاء (**الرسم المعتاد**) میں بکثرت ایسے کلمات ملتے ہیں جن کی املاء ''صوتی اصول'' (The Phonetic Principle) یعنی نطق کے مطابق کتابت کے اصول کی بجائے ایک طرح سے ''تاریخی اصول'' (The Historic Principle) کے تحت کی جاتی ہے۔ مثلاً: **بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم، لا الٰہ الا اللّٰہ، الّذین، ھٰھُنا، لٰکِنْ، ھٰذا، ذٰلك، اُولٰٓئِك، ھٰٓؤُلاءِ، اُولُوْ، ھٰاَنتم، اُولاءِ، اُولاتُ، بلٰی، حتّٰی، متٰی، اِلٰی** وغیرہ۔ جن کو اگر رسم املائی کے صوتی یا نحوی اصل پر مبنی قواعد کے مطابق لکھا جائے تو ان کی شکل یوں ہو جائے گی: **باسم اللّاہ الرحمان الرحیم' لا اِلاہ الا اللّاہ، اَلَّذین، ھاھنا، لاکن، ھاذا، ذالك، الُائِك، ھا الاءِ، اُولُوْ، ھاانتم، الاءِ، الُاتُ، بلا، حتّا، متا** اور **اِلا**۔(۲۷)

(۸) دریں اثنا نقط وشکل اور علاماتِ ضبط کی ایجاد و اختراع نے قرآنی (اور عام عربی) کلمات کا تلفظ نسبتاً آسان کر دیا تھا۔ تاہم قیاسی یا عام املاء کے مطابق لکھی ہوئی عبارت پڑھ لکھ سکنے والے آدمی کے لیے قرآنی املاء یا رسم المصحف کا رسم قیاسی سے یہ اختلاف ایک الجھن کا باعث بنتا تھا۔ اور غالباً اسی لیے امام مالک بن انسؒ (ت ۱۷۹ھ) سے یہ مشہور سوال پوچھا گیا تھا کہ کیا قرآنی املاء کو بھی جدید املاء کے سانچے میں ڈھال لیا جائے؟ جس کا جواب انہوں نے نفی میں دیا تھا اور سلف کے طریقے کے مطابق رسم المصحف کو علیٰ حالہ برقرار رکھنے پر زور دیا تھا۔ البتہ انہوں نے بچوں کی تعلیم میں سہولت کے لیے (قاعدے یا تختی کی صورت میں) رسم عثمانی سے ہٹ کر قیاسی املاء کے مطابق (اسباق) لکھنے کو جائز قرار دیا تھا۔(۲۸)

یہ بات قابل ذکر ہے کہ رسم قرآنی بیشتر رسم قیاسی کے مطابق ہی ہے۔ صرف ایک قلیل تعداد کلمات کی ایسی ہے جن میں اختلاف ہے۔ قرآن کریم کے ستر ہزار سے زائد کلمات میں سے قریباً نوے فیصد (۹۰%) کلمات کی املاء عام قیاسی املاء کے مطابق ہی ہے[۲۹]۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ عربی رسم الخط دورِ صحابہ تک اتنی پختگی کو پہنچ چکا تھا کہ اس میں ترمیم واصلاح کی بڑی محدود سی ضرورت درپیش آئی۔

(۹) فریضۂ حج کے ذریعے وسیع اسلامی مملکت کے مغربی (افریقہ واندلس) اور مشرقی (ایشیا) علاقوں سے لوگوں کو حرمین شریفین میں آنے کا موقع ملتا رہتا تھا۔[۳۰] اس کے علاوہ طلب علم کے لیے بھی لوگ ایک علاقے سے دوسرے علاقوں خصوصاً بڑے شہروں کا رخ کرتے تھے۔ ان علمی اور دینی رحلات (سفروں) میں اہل علم کو اپنے اپنے مختص علم وفن کی تحصیل اور تکمیل کے مواقع میسر آتے تھے۔ قراءات اور علم الرسم کے شائقین کو اس ضمن میں مصاحف امصار (یعنی مختلف صوبائی صدر مقامات میں بھیجے گئے مصاحف عثمانیہ یا ان سے تیار کردہ اس علاقے کے مصاحف) دیکھنے، بلکہ ان کا تقابلی اور تنقیدی مشاہدہ کرنے کے مواقع ملے تو دقت نظر سے کام لینے والوں کو یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ بعض قرآنی کلمات کی املاء یا رسم کسی ایک علاقے کے (مثلاً عراقی) مصاحف میں ایک طریقے سے اور کسی دوسرے علاقے کے (مثلاً شامی یا مکی) مصاحف میں کسی دوسرے طریقے سے کی گئی تھی۔

اس طرح علماءِ رسم کو کتابتِ مصاحف کے ضمن میں تین قسم کے املائی اختلافات سے واسطہ پڑنے لگا:

۱) رسم المصحف کا عام رسم قیاسی سے اختلاف۔

۲) ایک ہی مصحف کے اندر بعض کلمات کا مختلف مقامات پر مختلف رسم میں لکھا ہوا ملنا۔

۳) مصاحف امصار (علاقائی مصاحف) کا بعض کلمات کے رسم میں باہمی اختلاف۔

ذیل میں بطور نمونہ ہر قسم کے اختلافات کی کچھ مثالیں دی جاتی ہیں:

۱) رسم قیاسی اور رسم قرآنی کا اختلاف:

رسم قرآنی	رسم قیاسی
آلْئٰنَ	الآنَ
اِيّٰیَ	اِیَّایَ
العُلَمٰؤُا	العُلَمَاءُ
جِایْءَ	جِیْءَ
لِشَایْءٍ	لِشَیْءٍ
لَاَ اذْبَحَنَّه	لَاَذْبَحَنَّه
دُعٰؤُا	دُعاء
ساُورِیْکم	ساُریکم

لَتَّخَذْتَ	لَاتَّخَذْتَ	
الَّيْل	اللَّيْل	
الاِنسٰن	الاِنسان	
سَلٰسِلاَ	سَلٰسِلَ	
يَبْنَؤُمَّ	يَابْنَ اُمَّ	
بِاَيْيدٍ	بِاَيْدٍ	
اَفَائِنْ	اَفإِنْ	
اَلّٰتِیْ	اَلّٰاتِیْ	
نُجِّیْ	نُنْجِیْ	وغیرہ

۲) ایک ہی مصحف میں کلمات کی مختلف املاء:

ایک جگہ	دوسری جگہ
کِتٰب	کِتاب
قٰل	قال
طَغَا	طَغٰی
لدا	لدی
اَیُّها	اَیُّهَ
مانَشاءُ	ما نَشٰؤُا
اِبْرٰاهِم	اِبْرَاهِیمُ
کَیْ لَا	کَیْلا
جَزاؤُا	جَزاءُ
اَئِذا	اَءِ ذا
یَمْحُوا	یَمْحُ
شَعائِر	شَعٰئِر
تَبٰرَکَ	تَبارَکَ وغیرہ

۳) مصاحف امصار کے اختلاف:

بعض مصاحف میں	اور بعض مصاحف میں
تُکَذِّبان	تُکَذِّبٰن

طائف	طٰئف
خائف	خٰئفِ
صٰفّٰت	صافّات
کِیْدُونِ	کِیْدُونِی
شرکاؤھم	شرکائھم
ذو العصْف	ذاالعَصْف
تجری تحتَھا	تجری من تحتِھا
منھا مُنقَلَبا	منھما مُنْقَلَبا وغیرہ

۴) مصحف میں مماثل کلمات کی مختلف املاء:

مائة میں الف ہے مگر فئة بحذف الف ہے' اللطیف میں دو لام موجود مگر الیّل ہر جگہ صرف ایک لام کے ساتھ' ایّاك میں تو الف ہے مگر اِیّٰیَ میں محذوف ہے۔ لدا الباب الف کے ساتھ' مگر لدی الحناجر یاء کے ساتھ' جایٓءَ میں الف موجود مگر سِیْٓءَ الف کے بغیر' اَبْوٰب بحذف الف مگر اَکْوَاب باثبات الف لَآاذْبَحَنَّه میں زائد الف موجود مگر لَاُعَذِّبَنَّه اس زیادۃ کے بغیر ہے۔ مِن وَرَایِٔ حِجَاب بزیادۃ یاء مگر مِن وراءِ جُدُر بغیر زیادۃ' واؤ جمع کے بعد ہر جگہ الف زائد موجود مگر صرف چار افعال جاءُ و 'فَاءُ و 'باءُ و اور تبوءُ و میں غیر موجود وغیرہ۔[۳۱]

۵) اس کے ساتھ یہ بھی خیال رہے کہ بعض کلمات کی قرآنی املاء' قیاسی املاء سے زیادہ سائنٹفک اور قیاسِ صرفی ونحوی سے زیادہ قریب' لہٰذا بہتر ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

قیاسی املاء		قرآنی املاء		
اشتراہ	کی بجائے	اشترٰىه	زیادہ بہتر ہے	
مَثْواہ	"	مَثْوٰىه	"	"
اِحداھما	"	اِحدٰىھما	"	"
یَغشاھا	"	یَغشٰىھا	"	"
ترضاہ	"	ترضٰىه	"	"
نَجّاکم	"	نَجّٰىکم	"	"
تَقْواھا	"	تَقْوٰىھا	"	" وغیرہ

(۱۰) ہر کاتب مصحف کا یہ فرض تھا کہ وہ کتابتِ مصحف میں ان اختلافات سے آگاہ ہو اور جس علاقے کے لیے وہ مصحف لکھ رہا ہو یا جس علاقے کے مصحف سے وہ لکھ رہا ہو' کتابت میں یعنی رسم کلمات میں اس علاقے کی

خصوصیاتِ رسم کو ملحوظ رکھے۔ نقل صحیح میں ان چیزوں کے نظر انداز ہونے کا امکان تو نہیں رہتا' تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ اکثر خطاط یا خوشنویس کم علم ہوتے ہیں اور پیشہ ور خطاط جلدی کی خاطر اس قسم کی شرائط کو اکثر ملحوظ نہیں رکھتے۔ اس لیے رسم **المصحف** پر ماہرانہ نظر رکھنے والے اہل علم نے ایسی کتابیں لکھنا شروع کیں جو 'کُتّابِ مصاحف'' کی راہنمائی کر سکیں اور ان کو فرداً فرداً ان تمام مقامات سے آگاہ کر سکیں جہاں املاء میں رسم قرآنی کے مطابق درست املاء سے بھٹک جانے کا خطرہ موجود ہو۔

دوسرے اسلامی علوم کی طرح اس علم میں بھی تالیف کی ابتداء ایسے مختصر ''رسائل'' سے ہوئی جن میں عموماً کسی ایک پہلو سے جزوی معلومات ہوتی تھیں۔ آہستہ آہستہ متفرق رسائل کی معلومات کو یکجا کر کے علم الرسم پر بڑے مجموعے تیار ہوئے' یہاں تک کہ تدوین عروج کو پہنچی اور اس فن کی ''اُمّھات الکُتُب'' تالیف ہوئیں۔ اس کے بعد انتخاب' تلخیص اور شروح کا سلسلہ شروع ہوا جو اب تک جاری ہے۔ علم الرسم کی کتابوں میں سے بعض میں مصاحف عثمانیہ کی (تیاری کی) تاریخ کو بھی ساتھ شامل کر لیا گیا' اور بعض کتابوں میں مرسوم المصاحف کے اختلافات کی تعلیل اور توجیہہ کو بھی موضوعِ بحث بنایا گیا' اور بعض میں رسم عثمانی کے التزام یا عدمِ التزام کی بحث کو بھی لے لیا گیا۔ ان چیزوں کی ابھی آگے وضاحت آئے گی۔

مختلف اسلامی علوم کی تدوین اور ان پر تالیفات کے سلسلے میں یہ ایک عجیب بات سامنے آتی ہے کہ بعض علوم پر کسی ایک علاقے میں زیادہ کام ہوا اور بعض علوم پر دوسرے خطے میں۔ مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ حدیث کی جمع و تدوین اور اس علم کی امہات الکتب کی تالیف کا بیشتر کام مشرقی اسلامی ملکوں میں سرانجام پایا۔ اس کے برعکس علم الرسم کی جمع و تدوین اور اس فن کی امہات الکتب کی تصنیف و تالیف کا کام عالم اسلام کے مغربی حصے خصوصاً اندلس میں زیادہ ہوا۔ (۳۲)

اہل مشرق کی تالیف کردہ کتب حدیث (بخاری و مسلم وغیرہ) کو مغرب میں پذیرائی حاصل ہوئی اور اہلِ مغرب کی تالیف کردہ کتب علم الرسم کو اہل مشرق نے اپنے لیے راہنما بنایا' بلکہ یہ کتابیں بلا اختلاف مسلمانوں کے تمام مذاہب و مسالک کے ہاں مستند مانی جاتی ہیں۔ 'نامہ آستان قدس' شمارہ ۱و۲' دورہ نہم میں عزیز اللہ جوینی کا ایک مضمون بعنوان ''املاء قرآن'' شائع ہوا تھا جس میں مضمون نگار نے ''املاء قرآن'' پر اہم اور بنیادی کتابوں میں الدانی' المراکشی اور ارکاٹی کی کتابوں کو ہی گنوایا ہے۔ ان کا قدرے تفصیلی ذکر ابھی آگے آ رہا ہے۔ البتہ اس نے دو ایرانی مؤلفین کی کتابوں کا نام بھی لیا ہے۔ ان کا ذکر ہم پہلے ہی کیے دیتے ہیں: (۱) احمد بن حسین اصفہانی نیشاپوری (ت ۳۸۱ھ) کی ''اختلافِ ہجاء قرآنی'' (جو غالباً فارسی میں ہے) اور (۲) حافظ اصفہانی کی ''کتاب المصاحف''۔ (۳۳)

علم الرسم پر اس قدر زیادہ کام ہوا ہے کہ اس فن کی تمام کتابوں کا شمار بھی کارِ دشوار ہے۔ اس کثرتِ تالیفات کا ایک سبب غالب یہ بھی بنا کہ مصاحف کی تیاری مسلمانوں کی روزمرہ کی ضروریات کا ایک جزء تھا (اور ہے)۔ ہر مسلمان کو نہیں تو کم از کم ہر مسلمان کنبہ کو ایک مصحف کی ضرورت ہوتی تھی۔ اس بنا پر ہر ایک کاتبِ مصحف کے پاس ایک مختصر راہنمائے رسم قرآنی کی قسم کی کتاب یا رسالہ کا ہونا ضروری تھا' جس میں کم از کم

ضروری مقامات کی املاء کے بارے میں معلومات اور ہدایات موجود ہوں۔ چنانچہ قرآن کریم کے ایسے تمام مقامات کی سورت بسورت نشان دہی پر مبنی متعدد مختصر کتب بھی لکھی گئیں۔

ذیل میں ہم ترتیب زمانی کے ساتھ اس علم پر لکھی گئی بعض اہم ''ابتدائی'' اور ''انتہائی'' تالیفات اور ان کے مؤلفین کا مختصراً ذکر کرتے ہیں، جس سے اس علم کے عہد بعہد ارتقاء کا کچھ اندازہ ہو سکے گا۔

علم الرسم پر تالیفات

(۱۱) سب سے پہلے ہمیں ابن الندیم کے ہاں اس علم پر یا اس کے بعض پہلوؤں پر لکھی ہوئی کچھ کتابوں کا ذکر ملتا ہے۔ ان میں سے ایک عنوان ''**الکتب المؤلفہ فی مقطوع القرآن وموصولہ**'' ہے جس کے تحت اس نے تین مؤلفین کے نام لیے ہیں: (۱) عبداللہ بن عامر الیحصبی (ت ۱۱۸ھ)۔ (۲) حمزہ بن حبیب الزیات (ت ۱۵۶ھ) اور (۳) علی بن حمزہ الکسائی (ت ۱۸۹ھ)۔ اسی کتاب (الفہرست) میں **الکتب المؤلفہ فی اختلاف المصاحف** کے عنوان کے تحت آٹھ مؤلفین اور ان کی کتابوں کے نام ملتے ہیں: (۱) عبداللہ بن عامر الیحصبی (ت ۱۱۸ھ) کی کتاب ''**اختلاف مصاحف الشام والحجاز والعراق**'' (۲) علی بن حمزہ الکسائی (ت ۱۸۹ھ) کی ''**کتاب اختلاف مصاحف اھل المدینۃ واھل الکوفۃ واھل البصرۃ**'' (۳) خلف بن ھشام البزاز (ت ۲۲۹ھ) کی کتاب ''**اختلاف المصاحف**'' (۴) یحییٰ بن زیاد الفراء (ت ۲۰۷ھ) کی کتاب ''**اختلاف اھل الکوفۃ والبصرۃ والشام فی المصاحف**''۔ ان کے علاوہ ابن الندیم نے ابوحاتم سجستانی (ت ۲۵۵)، ابوداؤد سجستانی، المدائنی اور محمد بن عبدالرحمٰن الاصفہانی میں سے ہر ایک کی کتاب ''**اختلاف المصاحف**'' کا ذکر بھی کیا ہے۔

ابتدائی دور میں رسم کے موضوع پر لکھی گئی متعدد کتابوں کے لیے ہجاء المصاحف یا کتاب الھجاء کا نام بھی ملتا ہے۔ ''**الکتب المؤلفہ فی ھجاء المصاحف**'' کے تحت ابن الندیم نے تین مؤلفین کا ذکر کیا ہے: (۱) یحییٰ بن الحارث الذماری (ت ۱۴۵ھ) (۲) احمد بن ابراہیم الوراق (ت ۲۷۰ھ) اور (۳) ابن شبیب[۳۴]۔ صاحب المقنع نے الغازی بن قیس الاندلسی (ت ۱۹۹ھ) کی ''**فی ھجاء المصاحف**'' اور محمد بن عیسیٰ الاصفہانی (ت ۲۵۳ھ) کی ''**ھجاء المصاحف**'' کا ذکر کیا ہے[۳۵]۔ غانم قدوری نے ہجاء المصاحف کے عنوان سے لکھی گئی چار مزید کتابوں کا اضافہ کیا ہے: (۱) ابن مقسم العطار (ت ۳۶۲ھ) کی ''**اللطائف فی جمع ھجاء المصاحف**'' (۲) ابوالعباس المھدوی (ت ۴۳۰ھ) کی ''**ھجاء مصاحف الامصار**'' (اس کتاب کا ایک جزء مجلّہ معہد المخطوطات، جلد ۱۹ میں شائع ہو چکا ہے) (۳) مکی بن طالب القیسی (ت ۴۳۷ھ) کی ''**البدیع فی ھجاء المصاحف**''[۳۶] (یہ کتاب بھی غانم قدوری کی تحقیق کے ساتھ عراق کے مجلّہ المورد، العدد الرابع، ۱۴۰۷ھ میں شائع ہو چکی ہے)[۳۷]۔ ''**کتاب الھجاء**'' کے عنوان کے تحت ابن الندیم نے الکسائی، الفراء، ابوحاتم سجستانی اور ابن بشار الانباری (ت ۳۲۷ھ) کی کتابوں کا ذکر کیا ہے[۳۸] مگر یہ بات واضح

نہیں ہوسکی کہ ان کا تعلق ''**ھجاء قرآنی**'' سے تھا یا ھجاء قیاسی (نحوی) سے تھا۔ یہاں تک علم الرسم پر تالیفات کا ابتدائی یا تشکیلی دَور ختم ہوتا ہے۔

(۱۲) اس کے بعد مذکورہ بالا آخری تین مؤلفین المہدوی' القیسی اور الجہنی کی معاصر مگر اس فن کی ''دیو قامت'' شخصیت سامنے آتی ہے یعنی ابوعمرو عثمان بن سعید الدانی الاندلسی (ت ۴۴۴ھ) جو اپنے زمانے میں ابن الصیرفی کے نام سے مشہور تھے اور جن کی کل تصانیف کی تعداد سو سے زیادہ بیان کی گئی ہے' جن میں سے گیارہ کتابیں علم الرسم سے متعلق تھیں اور ان میں سب سے اہم' سب سے مشہور اور سب سے مفید تر کتاب ''**المقنع الکبیر**'' تھی' جس کی تلخیص خود مؤلف نے ''**المقنع الصغیر**'' کی صورت میں کی[۳۹] اور جو ''**المقنع فی معرفۃ مرسوم مصاحف اھل الامصار**'' کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ الدانی کی یہ کتاب علم الرسم پر لکھی گئی تمام پیشرو کتابوں کی جامع اور اپنے بعد آنے والی کتابوں کی بنیاد ٹھہری۔ اس کتاب میں الدانی نے لفظ رسم اور مرسوم بکثرت استعمال کیا ہے[۴۰]۔ چنانچہ بعد کی کتابوں کے عنوانات پر عموماً یہی لفظ غالب نظر آتا ہے اور کم از کم عنوانِ کتب میں لفظ ''**ھجاء**'' کا استعمال آہستہ آہستہ متروک ہو جاتا ہے۔

الدانی کے بعد اس علم پر لکھی جانے والی کتابوں میں سے خصوصاً قابل ذکر حسب ذیل ہیں۔ اہم کتابوں کے ساتھ ہم نے کچھ مزید تعارفی نوٹ بھی بڑھا دیا ہے:

۱) ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی (ت ۴۶۳ھ) کی ''**تلخیص المتشابہ فی الرسم**''[۴۱]۔

۲) ابوداؤد سلیمان بن نجاح الاندلسی (ت ۴۹۶ھ) کی ''**التنزیل فی ھجاء المصاحف**'' جو اس کی چھ جلدوں پر مشتمل ایک بڑی کتاب ''**التبیین لھجاء التنزیل**'' کی خود تیار کردہ تلخیص تھی۔ یہ غالباً آخری بڑی کتاب ہے جس کے عنوان میں لفظ ''**ھجاء**'' استعمال ہوا۔ اگرچہ یہ کتاب ابھی تک شائع نہیں ہوئی تاہم اس کے کچھ مخطوطات (القاہرہ اور دمشق وغیرہ میں) موجود ہیں۔ یہ ابوداؤد الدانی کے نامور تلامذہ میں سے تھے۔ ہمارے زمانے میں شائع ہونے والے چند اہم مصاحف (قرآنی ایڈیشنوں) کی تیاری میں الدانی اور ابوداؤد کی کتابوں کو ہی رسم المصحف کی بنیاد بنایا گیا ہے' اور ان دونوں میں اختلاف کی صورت میں مصری' سعودی اور شامی مصاحف میں ابوداؤد کو اور لیبی ''**مصحف الجماھیریہ**'' کی تیاری میں الدانی کے قول کو ترجیح دی گئی ہے۔[۴۲]

۳) ابوالحسن علی بن محمد المرادی (ت ۵۶۳ھ) کی ''**المنصف**''۔

۴) ابن العطار الھمدانی (ت ۵۶۹ھ) کی ''**اللطائف فی رسم المصاحف**''۔

۵) القاسم بن فیرہ الشاطبی (ت ۵۹۰ھ) کا قصیدہ ''**رائیہ فی الرسم الموسوم بعقیلۃ اتراب القصائد فی اسنی المقاصد**''۔ یہ معمولی اضافوں (کل چھ کلمات) کے ساتھ المقنع للدانی کا خلاصہ ہے۔ اسے بہت مقبولیت حاصل ہوئی اور اس کی متعدد شروح لکھی گئیں' جن میں سے بعض کا ذکر ابھی آئے گا۔

۶) ابوطاہر العقیلی اسماعیل بن ظاہر (ت ۶۲۳ ھ) کی ''مختصر ما رسم فی المصحف الکریم۔''[۴۳]

۷) ابن وثیق الاندلسی (ت ۶۵۴ ھ) کا ''رسالة فی رسم المصحف۔''

۸) محمد بن ابراہیم الشریشی الخراز (ت ۷۱۸ھ) کی ''مورد الظمآن فی رسم احرف القرآن''۔ یہ منظوم کتاب ہے اور الخراز کی ہی ایک سابق تالیف ''عمدة البیان'' کا خلاصہ ہے۔ اس کتاب کے دو حصے (یکجا) ہیں۔ پہلا علم الرسم سے متعلق ہے اور دوسرے حصے کا موضوع علم الضبط ہے اور اسے مورد الظمآن کی ذیل یا ضبط الخراز بھی کہتے ہیں۔ مورد الظمآن چونکہ اپنے سے پہلی چار اہم کتابوں المقنع' التنزیل' المنصف اور العقیلة سے ماخوذ ہے' اس لیے اس کو بھی اہل علم میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی اور اس کی بھی کئی شروح لکھی گئیں' جن میں سے بعض کا ہم آگے چل کر ذکر کریں گے۔

۹) ابو العباس المراکشی الشهیر بابن البناء (ت ۷۲۱ھ) کی ''عنوان الدلیل فی مرسوم خط التنزیل''۔ اس کتاب میں رسم المصحف کے عام خط سے مختلف ہونے کی عجیب وغریب ''باطنی'' قسم کی تعلیلات اور توجیہات بیان کی گئی ہیں۔ اصل کتاب تو ابھی تک نہیں چھپی' البتہ زرکشی نے البرہان میں اس کے طویل اقتباسات دیے ہیں۔[۴۴]

۱۰) برہان الدین ابراہیم بن عمر الجعبری (ت ۷۳۲ھ) کی ''روضة الطرائف فی رسم المصاحف'' یہ لامیہ قصیدہ ہے جو شاطبی کے رائیہ کی طرز پر لکھا گیا۔

۱۱) ابویحییٰ محمد بن محمود الشیرازی السمرقندی (ت ۷۸۰ھ) کی کتاب ''کشف الاسرار فی رسم مصاحف الامصار''۔ اس کتاب کے دو باب حاتم صالح الضامن کی تحقیق کے ساتھ مجلة المورد' العدد الرابع' ۱۴۰۷ھ میں شائع ہو چکے ہیں۔[۴۵]

اس کے بعد ہمیں گیارہوں بارہویں صدی میں بعض ایسی تالیفات کا پتہ چلتا ہے جن کے نام (عنوان) میں خلیفہ راشد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یا ان کے مصاحف کا نام آتا ہے۔ یہ سب مخطوطات ہیں اور بیشتر مجہول المؤلف بھی ہیں۔ مثلاً:

۱) حسین بن علی الاماسی (گیارہویں صدی ہجری) کی ''الطارف الطریفة فی رسم المصاحف العثمانیة الشریفة''۔

۲) مؤلف مجہول۔ جامع الکلام فی رسم المصحف الامام۔

۳) مؤلف مجہول۔ رسالة فی بیان قواعد رسم المصحف العثمانی۔

۴) مؤلف مجہول۔ زبدة البیان فی رسوم مصاحف عثمان۔[۴۶]

(۱۳) علم الرسم پر تالیفات کا یہ سلسلہ چودھویں صدی ہجری کے آخر تک بھی جاری رہا ہے۔ اس متاخر دور کی کتابوں میں سے قابلِ ذکر حسبِ ذیل ہیں۔ یہ سب (کم از کم ایک دفعہ) طبع ہو چکی ہیں۔[۴۷]

۱) الشیخ برکات بن عریشہ الہورینی کی کتاب ’’الجوھر الفرید فی رسم القرآن المجید‘‘۔

۲) الشیخ محمد ابوزید کی ’’فتح الرحمن وراحة الکسلان‘‘۔

۳) الشیخ عبدالرحمٰن محمد الہواش کی ’’تشحیذ الاذھان فی رسم آیات القرآن‘‘۔

۴) ابوعبید رضوان بن محمد المخللاتی (۱۳۱۱ھ) نے ’’ارشاد القراء والکاتبین الٰی معرفة رسم الکتاب المبین‘‘ کے نام سے کتاب بھی لکھی اور رسم عثمانی کے مطابق ایک مصحف بھی شائع کرایا۔

۵) المتولی محمد بن احمد بن الحسن نے ایک ارجوزہ ’’اللؤلؤ المنظوم‘‘ کے نام سے لکھا جس کی شرح الشیخ حسن بن خلف الحسینی نے ’’الرحیق المختوم‘‘ کے نام سے لکھی۔

۶) الشیخ محمد بن علی بن خلف الحسینی (۱۳۵۷ھ) نے ’’ارشاد الحریان الی معرفة ما یجب اتباعه فی رسم القرآن‘‘ نام کا ایک رسالہ تالیف کیا جو دراصل (اس زمانے کے) ہندوستان سے بھیجے گئے ایک استفسار کا جواب تھا۔

۷) الشیخ محمد بن حبیب اللہ الشنقیطی (۱۳۶۳ھ) نے ’’ایقاظ الاعلام لوجوب اتباع رسم المصحف الامام‘‘ کے نام سے ایک رسالہ لکھا۔ مرحوم رسم قرآنی کے بارے میں سختی سے نظریہ توقیف کے حامی تھے۔ اس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

۸) محمد غوث بن ناصر الدین ارکاٹی کی کتاب ’’نثر المرجان فی رسم نظم القرآن‘‘ علم الرسم کے موضوع پر سب سے مبسوط کتاب ہے جو سات جلدوں میں حیدر آباد دکن سے ۴۹۔۱۳۳۹ھ میں قریباً دس برس میں شائع ہوئی تھی۔ یہ کتاب خدمت قرآن کے لیے استقامت سے کام کرنے اور ’’محنت عشق‘‘ (Love Labour) کی ایک زندہ اور روشن مثال ہے۔

۹) الشیخ علی محمد الضباع استاد جامع الازہر نے ’’سمیر الطالبین فی رسم وضبط الکتاب المبین‘‘ کے نام سے ایک کتابچہ تالیف کیا۔ یہ چھوٹی سی کتاب بقول مؤلف المقنع ‘التنزیل اور العقیلة کے مسائل کا جامع خلاصہ ہے۔ اس میں بات سمجھانے کا مختصر مگر قابل فہم انداز اختیار کیا گیا ہے۔ ان کی تمام آراء سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا‘ تاہم مجموعی طور پر کتاب پر ’’بقامت کہتر بقیمت بہتر‘‘ کی مثل صادق آتی ہے۔

(۱٤) علم الرسم کی ’’امہات الکتب‘‘ میں سے الشاطبی کے قصیدہ ’’العقیلة‘‘ اور الخراز کی مورد الظمآن کو اساتذۂ فن کے ہاں بہت مقبولیت حاصل ہوئی اور ان کی متعدد شروح لکھی گئیں۔ علم الرسم پر اہم تالیفات کی کوئی فہرست ان شروح کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں کہلا سکتی۔ لہٰذا ان میں سے چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے۔

☆ شاطبی کے ’’عقیلة اتراب القصائد‘‘ کی اہم شروح یہ ہیں:

۱) علم الدین علی بن محمد السخاوی (ت ۶۴۳ھ) کی شرح ’’الوسیلة الی کشف العقیلة‘‘۔

۲) برہان الدین عمر بن ابراہیم الجعبری (ت ۷۳۲ھ) نے ’’خمیلة ارباب المراصد فی شرح عقیلة اتراب القصائد‘‘ کے نام سے اس کی شرح لکھی۔ (۴۸)

۳) ابوالبقاء علی بن عثمان ابن القاصح (ت ۸۰۱ھ) نے ''تلخیص الفوائد وتقریب المتباعد'' کے نام سے اس کی شرح لکھی۔ یہ کتاب چھپ چکی ہے اور غالباً العقیلہ کی شروح میں سے واحد مطبوعہ شرح ہے۔

۴) مُلّا علی بن سلطان القاری الہروی (ت ۱۰۱۴ھ) کی شرح کا نام ''الھبات السنیة العلیة علی ابیات الرائیة فی الرسم'' ہے۔

۵) مشہور روسی عالم موسیٰ جار اللہ رستوفدانی (ت ۱۳۶۸ھ) نے بھی العقیلہ کی شرح لکھنا شروع کی تھی جو غالباً مکمل نہ ہو سکی۔ (۴۹)

☆ الخراز کی ''مورد الظمآن'' کی شروح میں سے اہم یہ ہیں:

۱) الشیخ حسین بن علی الرجراجی (ت ۸۴۰ھ) کی شرح کا نام ہے ''تنبیه العطشان علی مورد الظمآن''۔

۲) ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن عبدالجلیل التنسی (ت ۸۹۹ھ) نے ''الطراز علی ضبط الخراز'' کے نام سے مورد الظمآن کی صرف ذیل (ضبط والے حصے) کی شرح لکھی۔ یہ ابھی تک طبع نہیں ہوئی۔

۳) ابومحمد عبدالواحد بن احمد بن علی ابن عاشر الانصاری (ت ۱۰۴۰ھ) کی ''فتح المنان المروی بمورد الظمآن'' سب سے مشہور شرح ہے۔ اس شارح نے حصہ رسم کے آخر پر ''الاعلان بتکمیل مورد الظمآن'' کے نام سے ایک تکملہ بھی لکھا' جس کا مقصد دوسری قراءات کو بھی شامل کرنا تھا' کیونکہ اصل ''مورد'' صرف قراءات نافع پر مبنی تھی۔

۴) الشیخ ابراہیم بن احمد المارغنی التونسی (۱۳۲۵ تاریخ تکمیل کتاب) کی ''دلیل الحیران شرح مورد الظمآن'' کے کئی ایڈیشن تونس اور مصر سے شائع ہو چکے ہیں۔ اس کتاب کے رسم والے حصے میں ابن عاشر کی ''فتح المنان'' سے اور ضبط والے حصے کے لیے التنسی کی ''الطراز'' سے زیادہ مدد لی گئی ہے۔

۵) الشیخ احمد محمد ابوزیتحار نے ''لطائف البیان فی رسم القرآن شرح مورد الظمآن'' کے نام سے طلبہ کے استفادہ کے لیے ایک مختصر شرح لکھی ہے۔ مؤلف خود جامع الازہر کے اساتذہ میں سے ہیں۔

(۱۵) ماضی قریب میں علم الرسم کے مسائل یونیورسٹی سطح پر ایم اے اور پی ایچ ڈی کے لیے مقالات کے موضوع بھی بنے ہیں' مثلاً:

۱) عبدالحی حسین الفرماوی نے ۱۹۷۴ء میں کلیہ اصول الدین جامعہ الازہر سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ ان کا موضوع تحقیق تھا: ''رسم المصحف ونقطه''۔

۲) غانم قدوری الحمد نے ۱۹۷۶ء میں کلیہ دار العلوم جامعۃ القاہرہ سے ایم اے کی ڈگری جس مقالہ کی بنیاد پر حاصل کی' اس کا عنوان تھا ''رسم المصحف : دراسة لغوية تاريخية''۔ یہ مقالہ ایک کتاب کی شکل میں عراق کی ہجرہ کمیٹی کی طرف سے بھی شائع ہو چکا ہے اور اس موضوع پر بہت جامع اور کام کی کتاب ہے۔ مقالہ نگار نے اس سے بکثرت استفادہ کیا ہے۔

گزشتہ اوراق میں علم الرسم پر لکھی گئی پچاس کے قریب کتابوں کا ذکر آ گیا ہے (پیرا گراف ۱۱ تا ۱۴ میں)۔ یہ فہرست ذرا طویل لگتی ہے' تاہم اس علم کے ارتقاء کے بیان کے لیے کم از کم اہم کتابوں کا ذکر کیے بغیر بھی چارہ نہ تھا۔ دوسری طرف یہ فہرست علم الرسم پر لکھی گئی کثیر التعداد کتابوں کا ایک معمولی سا خاکہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس علم پر لکھی گئی تمام کتابوں کا شمار بھی ایک کارِ دشوار ہے اور یہ طویل سلسلہ تالیفات جو قریباً چودہ سو سال سے بغیر انقطاع کے جاری ہے' اس بات پر شاہد ہے کہ اس علم پر کتنی توجہ مرکوز کی گئی اور اس کی وجہ کو سمجھنا چنداں مشکل بھی نہیں ہے۔ آخر اس علم کا تعلق قرآن کریم کی درست کتابت سے ہے جو اسلامی معاشرے کی بنیادی دینی ضرورت ہے اور ایک مسلسل اور جاری عمل ہے۔

تاہم اس طویل فہرست میں سے علم الرسم کی اصل امہات الکتب صرف چار ہی شمار ہوتی ہیں' یعنی **المقنع' التنزیل' العقیلہ** اور **المنصف**۔ یا پھر وہ کتابیں جن کی تالیف ان کتب اربعہ سے استمداد پر مشتمل ہو' مثلاً ''**مورد الظمآن للخراز**'' یا ''**نثر المرجان**'' جو اس علم کی تمام کتابوں کی جامع ہے۔

باقی کتابوں کی حیثیت شرح یا تلخیص کی ہے یا پھر ترتیب وتبویب اور اسلوب و انداز کا فرق ہے۔

(جاری ہے)

حوالے اور حواشی

(۱) لبیب' ص ۲۴

(۲) یوسف علی (مقدمہ)' ص ۹

(۳) **مصحف (مثلث المیم)** کے معنی ہیں: **جامع المصحف**۔ اس اصطلاح کے اندر تدوین وجمع قرآن کی پوری داستان جھلکتی نظر آتی ہے (صحف اور مصحف کے معنی اور ان کے باہمی تعلق کی مزید وضاحت کے لیے دیکھئے: Denffer ص ۲۴ اور دلیل' ص ۱۶)۔ عہد خلافت راشدہ' خصوصاً عہد عثمانی سے لفظ ''مصحف'' نسخہ قرآن کے معنی میں استعمال ہوتا چلا آیا ہے' اس کی جمع ''مصاحف'' ہے۔ جہاں ''نسخہ ہائے قرآن'' کہنا ہو' اس کے لیے یہی لفظ (مصاحف) استعمال کرنا چاہیے۔ قرآن کی جمع ''قرآنوں'' یا ''قرآن ھا'' یا "Qurans" کا استعمال درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ قرآن متعدد نہیں بلکہ ایک ہی ہے۔

(۴) دلیل' ص ۴۰۔ سمیر' ص ۲۷۔ غانم' ص ۱۵۵

(۵) ''املاء'' بھی عربی لفظ ہے اور اس کے معنی ''لکھوانا'' (dictation) کے ہیں۔ تاہم اردو فارسی میں یہ لفظ انگریزی spelling کے مترادف ہے۔ عربی میں اس مقصد کے لیے لفظ ''**ھجاء**'' استعمال ہوتا ہے۔ اگرچہ عربی میں اسی لفظ کے کچھ اور معنی بھی ہیں۔

(۶) مذکورہ الفاظ میں سے ''**الکتابة، الخط، الزبر، السطر** اور **الرقم**'' سے افعال اور مشتقات قرآن کریم میں مستعمل ہوئے ہیں۔

(۷) مقدمہ' ج ۱' ص ۷۸۴

(۸) قلقشندی' ج ۳' ص ۱۷۲

(۹) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خود کوئی مصحف نہیں لکھا تھا۔ یہ مصاحف (عثمانیہ) ان کے حکم سے تیار کرائے گئے تھے۔ اس

لیے ان کے طریق املاء کے لیے ''رسم عثمانی'' کی اصطلاح وجود میں آئی۔ جن لوگوں کو بوجوہ یہ اصطلاح پسند نہیں وہ رسم مصحف یا رسم قرآنی وغیرہ کہہ لیتے ہیں۔ مراد سب کی ایک ہی ہے یعنی ''علم الرسم''۔

(۱۰) تلخیص ٬ص ۵

(۱۱) المیسر (مقدمہ) ص اوّل

(۱۲) دلیل ٬ص ۴۰۔ سمیر٬ ص ۳۰

(۱۳) تجزیہ روایات کے لیے دیکھئے: البری ٬ص ۴۳۔۴۵ اور غانم٬ ص ۱۲۶

(۱۴) نیز دیکھئے Denffer ٬ص ۵۴۔۵۵٬ جہاں مراحلِ جمعِ قرآن کی ترتیب زمانی کو ایک سادہ مگر عمدہ چارٹ کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔

(۱۵) دلیل ٬ص ۱۵۔۱۶

(۱۶) البری٬ ص ۴۵ ببعد۔ اور دلیل ص ۱۸

(۱۷) البری ٬ص ۴۷

(۱۸) دلیل ٬ص ۱۹

(۱۹) سمیر٬ ص ۱۷

(۲۰) تفصیل کے لیے دیکھئے : غانم٬ ص ۱۹۸ اور ص ۷۳۰

(۲۱) نخبہ٬ ص ۲۳

(۲۲) یہی کتاب (نخبہ) ص ۵۷۔۵۸

(۲۳) ابن درستویہ (ت ۳۴۶ھ) نے اپنی کتاب کے دیباچہ میں یہ لکھا ہے کہ اس سے پہلے لوگوں نے اپنی اپنی رائے کے مطابق اصولِ املاء وضع کیے٬ جن میں بہت سے غلط بھی ہیں۔ اور یہ کہ اس نے اپنی کتاب کو قیاسِ نحوی سے زیادہ قریب کرنے کی کوشش کی ہے۔ دیکھئے ابن درستویہ٬ ص ۶

(۲۴) ابن الندیم نے اس قسم کی کتابوں میں سے بعض کا ذکر کیا ہے٬ مثلاً ابو حاتم سجستانی کی کتاب الخط والھجاء (الفہرست٬ ص ۸۸)٬ ابن درستویہ کی کتاب المتمم اور کتاب الھجاء (الفہرست٬ ص ۹۴۔۹۵) اور الکسائی کی کتاب الھجاء (الفہرست٬ ص ۹۸) وغیرہ۔ اس قسم کی مزید کتابوں کے ذکر کے لیے دیکھئے: غانم ٬ص ۷۳۱ ببعد۔

(۲۵) غانم٬ ص ۱۹۸

(۲۶) اس زمانے تک پیشہ ورانہ اور فنی خطاطی کی طرف بھی پیش رفت شروع ہو گئی تھی۔ تابعین میں سے ابوحکیمہ٬ مطر اور مالک بن دینار کی عمدہ خطاطی اور (پیشگی طے کیے بغیر) اجرت پر مصاحف لکھنے کا ذکر ملتا ہے۔ دیکھئے: المصاحف ص ۱۳۰۔۱۳۲

(۲۷) الکردی ٬ص ۱۳۳

(۲۸) یہ واقعہ علم الرسم کی قریباً تمام کتابوں میں بیان کیا جاتا ہے٬ مثلاً دیکھئے : المقنع٬ ص ۹۔ الکردی٬ ص ۱۰۳۔۱۰۴۔ دلیل٬ ص ۲۳۔۲۴۔ غانم ٬ص ۱۹۹ اور سمیر٬ ص ۱۸

(۲۹) الخلیفۃ ص ۲٬ دلیل ص ۴۱٬ سمیر ص ۲۷۔

(۳۰) اور اس زمانے میں لوگ خصوصاً اہل علم تعلیمی اور دینی و علمی اغراض کے لیے حرمین میں فی الواقع طویل قیام کیا

کرتے تھے۔ نہ تو آج کل کی طرح چالیس دن کے اندر حرمین سے نکل جانے کی پابندی تھی اور نہ ہی وہ لوگ خریداری (shopping) کے دلدادہ ہوتے تھے۔

(۳۱) اس قسم کے املائی اختلافات کی مزید یکجا امثلہ کے لیے دیکھئے: الفرقان' ص۶۴' الکردی' ص ۱۲۸۔۱۳۱' اور المیسر (مقدمہ) ص ''و''، ''ز'' اور ویسے تو علم الرسم کی ہر کتاب اسی قسم کے اختلافات کے بیان سے بھری پڑی ہے۔

(۳۲) اور اس کی بڑی وجہ غالباً اس بارے میں امام مالکؒ کا مشہور فتویٰ بھی تھا۔ افریقہ اور اندلس میں زیادہ تر فقہ مالکی ہی رائج ہوئی اور شمالی افریقہ کے ملکوں میں اب تک غالب اکثریت اسی مذہب (فقہ) کی پیرو ہے۔

(۳۳) تفصیل کے لیے دیکھئے' نامہ آستان ص ۱۵۔۱۹

(۳۴) ابن الندیم کے مذکورہ بالا حوالوں کے لیے دیکھئے : الفهرست' ص ٥٤' ص ٥٥ اور ص ٨٧۔

(۳۵) المقنع' ص ٢٢۔٢٣

(۳۶) غانم' ص ١٧٢۔١٧٣

(۳۷) دیکھئے المورد' ص ٢٧١ تا ٣١٦

(۳۸) الفهرست ص ٨٧' ٩٨' ١٠٠ اور ١١٢

(۳۹) دلیل' ص ٢٥۔٢٦۔ اور غانم' ص ١٧٤۔

(۴۰) غانم' ص ۱۵۶ جس میں لکھا ہے کہ ''ویظهر فيه نزوع شديد الى استخدام مادة رسم للدلالة خاصة على خط القرآن''

(۴۱) یہ کتاب غالباً طبع ہو چکی ہے' اگرچہ اشارہ واضح نہیں ہے۔ دیکھئے: المورد' ص ۴۱۳

(۴۲) دیکھئے ان مصاحف کے ضمیمہ ہائے ''التعریف''۔ مصری مصحف ص ''د'' سعودی مصحف ص ''أ'' اور لیبی مصحف ص ''ج'' اور ''و''۔

(۴۳) غانم' ص ۳۸۸ اور ص ۱۷۹۔ ادارہ تحقیقات اسلامی کے مخطوطہ میں کنیت ''ابن الطاہر'' اور باپ کا نام طاہر کی بجائے ''ظافر'' لکھا ہے اور کتاب کا نام ''**في مرسوم خط المصحف مرتباً على سُور القرآن الكريم**'' دیا گیا ہے۔ مقالہ نگار نے اسی مخطوطہ سے استفادہ کیا ہے۔

(۴۴) البرهان' ج ۱' ص ۳۸۰۔۴۳۰۔ نیز اس پر تنقید کے لیے دیکھئے: صبحی' ص ۲۷۷ اور المیسر (مقدمہ) ص ''ی'' و ''ک'' اور اس کی بعض تعلیلات پر تبصرہ کے لیے دیکھئے' الکردی' ص ۱۵۴۔۱۵۶

(۴۵) دیکھئے: المورد' ص ۴۱۳' ۴۳۲

(۴۶) ان چار مخطوطات میں سے نمبر ۲ (جامع الکلام......) کا ذکر غانم قدوری نے اپنی کتابیات میں کیا ہے (غانم' ص ۴۸۹......)۔ باقی کا ذکر مجلّہ **المورد العدد العاشر** ۱۹۸۱ء میں شائع ہونے والے ابتسام مرهون الصفار کے ایک تحقیقی مضمون بعنوان ''**معجم الدراسات القرآنية المطبوعه والمخطوطه**'' میں آیا ہے۔

(۴۷) تفصیل کے لیے دیکھئے: غانم' ص ۱۸۴۔۱۸۵

(۴۸) زرکلی نے اس کا نام ''خميلة ارباب المقاصد'' لکھا (زرکلی' ج ۱' ص ۴۹) اور غانم قدوری نے اپنی کتابیات میں اس مخطوطہ کا نام خمیله (جمیله) دونوں طرح لکھا ہے۔ علم الرسم میں الجعبری کے اپنے قصیدہ لامیہ ''روضة الطرائف'' کا الگ ذکر اوپر پیراگراف ۱۲ میں نمبر ۱۰ پر ہو چکا ہے۔

(۴۹) غانم' ص ۱۷۸